عائشہ ذوالفقار

سلسلے وار ناولٹ

اُڑ جا رے تیری باری ہے

''کہاں گم ہے۔ چائے کب کی ٹھنڈی ہوگئی۔'' سلمان اس کے آگے پڑے چائے کے کپ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ حارث نے چپ چاپ کپ اٹھالیا۔

''کیا بات ہے، پریشان ہے۔'' سلمان نے پوچھا۔

''نہیں بس ایسے ہی۔'' اب اسے کیا بتاتا۔ وہ ابھی ابھی عمیر راؤ کی جانب سے Get well soon کے دو کارڈز وصول کر کے بیٹھا تھا۔ دل اداس ہوا جا رہا تھا۔

''کچھ تو ہے، بتا دے۔ بوجھ ذرا کم ہو جائے گا۔'' سلمان بھی آخر اس کا دوست تھا۔

''بس یار! حائقہ کے بارے میں سوچتا ہوں تو ایسا لگتا ہے جیسے میں کوئی خواب دیکھ رہا تھا۔ اچانک آنکھ کھلی اور خواب ٹوٹ گیا۔'' حارث کی آواز خالی خالی ہو رہی تھی۔

''ابھی تو شروعات بھی نہیں ہوئی تھی سلمان! ابھی تو میں نے خوش ہونا سیکھا بھی نہیں تھا۔ میں نے سوچا تھا کہ بہت ہو گیا عمیر کا راج۔ بہت حکومت کرلی اس نے، اب شاید میری باری ہے۔ حائقہ کی صورت میں ایک کرن ملی تھی کہ شاید اب میں اس اکیڈمی کو اس کا وہ مقام دلاسکوں گا جو کئی سال پہلے ختم ہو گیا تھا مگر...... '' حارث نے گرنے کے انداز میں کرسی کی پشت سے ٹیک لگائی۔

''مگر سب کچھ سوچوں میں ہی رہ گیا۔ خیال سے حقیقت بن ہی نہ سکا۔'' سلمان نے ایک لمبی سانس بھری۔

''شاید ابھی ہمارا وقت ہی نہیں آیا تھا حارث! شاید ہم نے غلط وقت کو صحیح سمجھ لیا۔'' حارث نے ہولے سے سر ہلایا۔

''نہیں سلمان! ہمارا وقت آیا تھا لیکن شاید عمیر کا وقت ابھی ختم نہیں ہوا تھا۔ اس لیے آ کے جلد ہی چلا گیا۔ عمیر کا راج ابھی باقی ہے۔ ابھی اور بادشاہت کرنی ہے اسے، اس کا وقت ختم ہو گا تو ہمارا آئے گا۔'' سلمان آگے کو ہوا۔

''اور اس کا وقت کب ختم ہو گا۔'' حارث نے کندھے اچکائے۔

''خدا جانے، برا بھی تو ہو گا ہر عروج کو زوال آتا ہے۔ اسے بھی آئے گا اسی امید پر تو اب تک ڈٹا ہوا ہوں

قسط نمبر 5

میں، ورنہ اندر سے تو کب کا ختم ہو چکا، کب کا مر چکا۔" عارث نے گوشوں میں آیا پانی صاف کیا تھا۔

☆......☆

کئی دن لگ گئے مجھے اس خالی پن سے نکلنے میں، عالیہ اور میڈم ثمینہ دونوں کا رویہ بہت بہتر ہو گیا۔ وہ بے شک عمیر کی والدہ تھیں مگر زمانہ شناس تھیں۔ اپنے بیٹے اور میرے شوہر میں فرق اچھی طرح سمجھ چکی تھیں۔ اس دن میں برتن دھو رہی تھی۔ جب عالیہ نے بتایا کہ F.sc کا رزلٹ آ گیا ہے۔ اسی نے مجھے عارش کے مارکس بتائے۔ %92 میری خوشی کا کوئی ٹھکانا نہیں تھا۔ اس رات کے بعد میں آج پہلی بار ہنسی تھی۔ F.sc کے رزلٹ کے پانچ دن بعد انٹری ٹیسٹ کا رزلٹ بھی آ گیا۔ کلیئر نہ ہونے کا سوال ہی نہیں تھا۔ اس رات میں نے ہمت کر کے خود عمیر سے بات کی۔

"عمیر! میرے اکاؤنٹ میں ڈھائی لاکھ روپے ہوں گے اس وقت، مجھے ایک بار عارش سے ملوا دیں، میں اسے سب سمجھا دوں گی۔ فرسٹ ایڈمیشن تو ہو ہی جائے گا اس کا آگے پھر دیکھا جائے گا۔" مجھے اندازہ نہیں ہوا کہ میں اس شخص سے بات کر رہی تھی جس کے دل میں میرے لیے صرف ایک جذبہ تھا نفرت کا۔ جس کی زندگی کا اب صرف ایک ہی مقصد تھا۔ مجھے اذیت دینا۔ میں اس شخص کے سامنے اپنی خواہش کا اظہار کر رہی تھی جس کے نزدیک میری ہی کوئی وقعت نہ تھی تو میری خواہش کی کیا ہوتی اب بھی اس نے کوئی نوٹس نہ لیا۔

"ملوا دیں گے ناں مجھے عارش سے۔" میں نے کوئی جواب نہ پا کے دوبارہ پوچھا تھا۔ عمیر نے قہر بار نظروں سے میری طرف دیکھا۔

"بس اس کے بعد اور کچھ نہیں کہوں گی۔" میں نے سہم کر کہا تھا۔ وہ چند لمحے میری طرف دیکھنے کے بعد منہ دوسری طرف کر کے لیٹ گیا۔ میں چپ بیٹھی رہ گئی۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ اس نے مجھے چوتھی مرتبہ مارنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اگلے دن تقریباً عصر کے وقت مجھے عالیہ نے آ کر بتایا کہ عارش آیا ہے۔

"عارش!" خوشی کی انتہاؤں کو چھوتی ہوئی میں بھاگ کر نیچے آئی تھی۔ عارش ڈرائنگ روم میں بیٹھا تھا۔ مجھے دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔ میں کوشش کے باوجود اس کے چہرے پر خوشی نہ کھوج پائی، اس کی آنکھیں سرخ تھیں۔ شاید رو کر آیا تھا۔

"عارش! میرے پاس پیسے۔" میرے بولتے ہی اس نے انگلی اٹھا کے مجھے خاموش کروا دیا۔

"پتا ہے حاری! اس رات جب ابو جی تجھے مار رہے تھے ناں مجھے بہت دکھ ہوا تھا۔ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے بعد بھی مجھے یقین نہیں آیا تھا کہ تو نے وہ سب کیا ہے۔ جب تیرا خون نکلا تھا تب بھی مجھے بہت دکھ ہوا۔ جب ابو جی نے زبردستی تجھ سے سر عمیر کے پاؤں چومنے کو کہا۔ تب بھی میرا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ جب ابو جی تجھے گھسیٹ کے دروازے تک لے گئے تب میرا اتنا دل چاہا کہ انہیں روک دوں۔ انہیں کہوں کہ حاری نے کچھ نہیں کہا۔ جب ابو جی نے تجھے گھر سے باہر نکال کر دروازہ بند کر دیا تو میں بہت رویا حاری! میرا بہت دل دکھا۔" عارش کی آواز بھرا گئی۔ میں نے بمشکل اپنے آنسو روکے ہوئے تھے۔ نہ جانے وہ یہ سب کیوں کہہ رہا تھا۔

"لیکن پتا ہے حاری! سب سے زیادہ دکھ مجھے یہ دیکھ کر ہوا۔" اس نے صوفے پر پڑا ڈبہ میری طرف اچھالا تھا۔

"سب سے زیادہ میں اسے دیکھ کر رویا حاری!" عارش اب بھی رو رہا تھا۔ میں نے تیزی سے ڈبہ کھولا۔ اس میں صرف راکھ بھری ہوئی تھی۔

"حاری! تو نے صرف ڈھائی لاکھ نہیں جلائے، تو نے مجھے جلا دیا۔" عارش کی بات میرے ہوش اڑا گئی۔ وہ

ذرا سی راکھ میرے ڈھائی لاکھ تھے۔ عمیر نے انہیں بھی جلا دیا اور راکھ عارش کو بھجوادی۔ میں اپنی جگہ سے ہل نہ سکی۔ بے یقین آنکھوں سے اس راکھ کو دیکھتی رہ گئی۔

"حاری! میرا کیا قصور تھا۔ میں نے تیرا کیا بگاڑا تھا۔ مجھ سے کس چیز کا بدلہ لیا ہے تو نے یہ بھجوا کے۔" آنسوؤں اور سسکیوں کے درمیان عارش سے بولنا دوبھر ہو رہا تھا۔

"عارش! میری بات سن، میں نے نہیں جلائے یہ پیسے، میں کیوں کروں گی بھلا ایسا۔" دکھ اتنا شدید تھا کہ مجھ سے بولا ہی نہ گیا۔"

"حاری! میں نے تو تجھے نہیں کہا تھا کہ مجھے ڈاکٹر بننا ہے۔ میں نے تو نہیں کی تھیں تیری منتیں تو نے مجھے زبردستی یہ خواب دکھائے تھے۔ تو نے مجھے زبردستی ہاتھ پکڑ کر اس رستے پر چلایا۔ تو نے مجھے بائیو رکھوائی۔ ابو جی اور اماں کی ایک نہ سنی۔ یاد ہے ناں میری ہر بات کے جواب میں تو کیا کہا کرتی تھی۔ عارش اور کچھ نہیں صرف ڈاکٹر......" عارش پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا۔ میں اسے چپ بھی نہ کروا سکی۔

"کہا تھا کہ مجھے ڈاکٹر بننا ہے۔ میں نے تو نہیں کی تھیں تیری منتیں۔ تو نے مجھے زبردستی یہ خواب دکھائے تھے۔ تو نے مجھے زبردستی ہاتھ پکڑ کر اس رستے پر چلایا۔ تو نے مجھے بائیو رکھوائی، ابو جی اور اماں کی ایک نہ سنی۔ یاد ہے ناں میری ہر بات کے جواب میں تو کیا کہا کرتی تھی۔ عارش اور کچھ نہیں صرف ڈاکٹر۔" عارش پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا۔ میں اسے چپ بھی نہ کروا سکی۔

"پیچھے سے دھکا لگا کے تو نے مجھے میڈیکل کی طرف چلا دیا۔ میری آنکھوں میں صرف ڈاکٹر بننے کے خواب سجا دیئے اور جب میں نے جان مار دی، میڈیکل کے علاوہ ہر رستہ اپنے اوپر بند کر لیا۔ ڈاکٹر بننا اپنا جنون بنا لیا۔ کنگ ایڈورڈ میں جانے کا رستہ ڈھونڈ لیا تو نے کیا کیا حاری۔" میں ایکدم عارش کے قریب آئی تھی۔

"عارش میں نے کچھ نہیں کیا۔ خدا کی قسم میں نے کچھ نہیں کیا۔" میں نے عارش کے دونوں بازو پکڑے تھے جنہیں اس نے بری طرح جھٹک دیا۔

"میں کل سے رو رہا ہوں حاری! ہر چیز مکمل ہے، ہر شرط پوری ہے، بتیسواں نمبر پر نام ہے میرا، K.E کا گیٹ کھلا ہے مگر میں نہیں جا سکتا جو کچھ تو نے کیا ہے اس کے بعد تو کوئی سیدھے منہ بات نہیں کرتا نہ کہ ادھار دے دے، جتنی نفرت آج تجھ سے ہو رہی ہے اتنی کبھی نہیں ہوئی تو مر بھی رہی ہوگی ناں تو معاف نہیں کروں گا تجھے۔" عارش دونوں آنکھیں رگڑتے ہوئے بولا تھا۔

"عارش! میری بات سن، مجھے سچ میں نہیں پتا۔" عارش نے مجھے دونوں کندھوں سے پکڑ کے جھنجھوڑ دیا۔

"بس کر دے حاری! میں اس دکھ سے مر گیا ناں تو قاتل ہوگی اور اگر نہ مرا تو ہر سانس کے بدلے تجھ سے صرف نفرت کروں گا، صرف نفرت۔ تیرے مرنے کے بعد تیری قبر بھی دیکھنے نہیں آؤں گا۔" انتہائی نفرت سے کہتا وہ باہر نکل گیا تھا۔ میں اسے روکتی رہ گئی۔ آج ایک اور دفعہ در گور ہو گئی تھی میں۔

☆......☆

عارش پورے ڈسٹرکٹ کا ٹاپر تھا۔ سب کو معلوم تھا کہ اس کا انٹری ٹیسٹ کلیئر ہو گیا تھا۔ اس کے میڈیکل میں نہ جانے کی خبر واقعی بے یقین تھی۔ حمزہ نے تو باقاعدہ اسے اپنے پاس بلا لیا۔ اس کی اکیڈمی کی جان تھا وہ۔

"عارش! لوگ ترس جاتے ہیں یہ وقت پانے کے لیے کئی کئی سال ضائع کر دیئے جاتے ہیں مگر دروازہ نہیں

کھلتا اور تم کھلے دروازے سے واپس پلٹ رہے ہو۔'' عارش کے آنسو نکلے تھے۔

''سر! شاید میری قسمت میں نہیں لکھا۔'' حمزہ نے سانس بھرا۔

''دیکھو عارش! میں ترس نہیں کھا رہا۔ کوئی احسان بھی نہیں کر رہا، میں کروا دیتا ہوں ایڈمیشن۔'' عارش نے نفی میں سر ہلایا۔

''نہیں سر! اتنا سب کچھ ہو جانے کے بعد بھی آپ اتنی بڑی بات کہہ رہے ہیں یہ بھی بہت ہے تھینکس بٹ نو......'' حمزہ نے سانس بھر کے اسے دیکھا۔

''حائقہ! نے کوئی رسپانس نہیں دیا۔'' عارش اس کی بات سن کے چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔

''دیا تھا ڈھائی لاکھ روپے، جلا کے ان کی راکھ بھجوا دی ہے، بقول اس کے جب ہم نے اس کے ساتھ اچھا نہیں کیا تو وہ کیوں کرے؟'' حمزہ اس کی بات سن کر دنگ رہ گیا۔

''یہ سب اس نے خود تم سے کہا؟'' اس نے پوچھا۔

''نہیں سر عمیر نے بتایا ہے۔'' حمزہ بول نہ سکا۔ کتنی عجیب بات ہے ناں کہ کبھی کبھی ہمیں سب کچھ ٹھیک پتا ہوتا ہے اور سامنے والے کو غلط لیکن پھر بھی ہم اسے ٹھیک نہیں سمجھا پاتے، حمزہ بھی سب کچھ سمجھ جانے کے باوجود عارش کو کچھ نہ سمجھا سکا، شاید عارش آج اس جگہ کھڑا تھا جہاں چند ماہ پہلے وہ خود کھڑا تھا۔ جب حارث سب کچھ ٹھیک جانتا تھا اور وہ غلط اور حارث کوشش کے باوجود اسے ٹھیک سے سمجھا نہیں پایا تھا۔

''سر! آئی وش کے کسی کی بہن ایسی نہ ہو۔'' حمزہ کو لگا جیسے وہ آنسو روک رہا ہو۔

''ورنہ نہ ہو۔'' کہتے ہوئے وہ باہر نکل گیا۔

☆......☆

اس دن وہ حمزہ سے ملنے آیا تھا۔ حمزہ اسے دیکھ کے خوش بھی ہوا اور حیران بھی۔

''آج میری یاد کیسے آ گئی؟'' وہ ہنستے ہوئے بولا۔

''ایک کام تھا تم سے، اس لیے آ گئی۔'' حارث ہولے سے ہنسا۔

''بولو......!'' حمزہ نے کہا۔

''سلمان آج کل یہاں ہے نہیں ورنہ میں تمہارے پاس کبھی نہ آتا، تمہیں شاید میری بات بری لگے بلکہ بہت بری لگے مگر تمہارے علاوہ اور کوئی نظر بھی نہیں آیا۔'' حمزہ آگے کو ہوا تھا۔

''بولو حارث!'' حارث نے ایک لمبا سانس لیا۔

''تمہیں تو پتا ہے کہ ناعمہ کی ڈیٹ فکس ہو گئی ہے۔ چھ دن بعد اس کی شادی ہے اس لیے میں اکیلا شاید مینیج نہ کر سکوں۔ تم سے ایک چھوٹی سی ریکوئسٹ ہے کہ تم عارش کا ایڈمیشن کروا دو۔ جیسے ہی میں ناعمہ......'' حمزہ نے اس کی بات کاٹی۔

''حارث! وہ میرا سب سے اچھا اسٹوڈنٹ ہے، میرے چھوٹے بھائیوں جیسا، اللہ کا بہت شکر ادا کرتا ہوں میں کہ شروعات ہی عارش جیسے اسٹوڈنٹ سے ہوئی اس کے میڈیکل میں نہ جانے کا سن کے جتنا دکھ مجھے ہوا تھا میں بتا نہیں سکتا۔ تم سے پہلے ہی میں اسے یہ بات کہہ چکا ہوں۔'' حارث ایکدم چونکا۔

''پھر کیا کہا اس نے؟'' حمزہ نے اسے دیکھا۔

''منع کر دیا، شاید حائقہ کے ردعمل سے بہت زیادہ دکھی ہوا ہے وہ۔'' حائقہ کے ذکر پر حارث بری طرح چونکا۔

''حائقہ سے کب ملاوہ؟'' حمزہ نے چند لفظوں میں اسے ساری بات بتادی۔ حارث سن سا بیٹھا رہ گیا۔

''شاید وہ میری بات مان لیتا اگر یہ سب نہ ہوا ہوتا مگر وہ بہت زیادہ اپ سیٹ تھا۔ آنسو چھپانے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔ حارث یار! میرا دل کٹ گیا اسے دیکھ کے۔'' حمزہ بولا۔

''حائقہ ایک طرف اس کا کیا دھرا ایک طرف۔ لیکن سزا عارش کو نہیں ملنی چاہیے تھی۔'' حارث چپ تھا۔

''حائقہ سے نفرت اس کی آنکھوں سے چھلک رہی تھی۔'' حارث نے اس کی طرف دیکھا۔

''ایسے ہی ہوگا اب، ہر نفرت اب اس کے حصے میں ہی آئے گی۔ اس کے اپنے گھر والوں کی۔ تمہاری اور تمہارے گھر والوں کی اور شاید عمیر اور اس کے گھر والوں کی بھی۔'' حارث وہاں سے اٹھ آیا۔

دعوے تو بڑے تھے اسے حائقہ سے محبت کرنے کے مگر آج تک اس کے لیے کچھ بھی نہیں کر سکا تھا۔ کسی ایک کے دل سے بھی اس کی نفرت نہیں مٹا سکا تھا۔ حمزہ کی دفعہ بھی اس نے بہت کوشش کی تھی، عارش کی دفعہ بھی وہ صرف کوشش ہی کر سکا۔

''عارش بیٹے! پلیز اس سے اتنی نفرت نہ کرو کہ جب اس کے داغ دھلیں تو تم نظریں نہ اٹھا پاؤ، وہ میری کچھ نہیں لگتی مگر پھر بھی میں اسے بے قصور مانتا ہوں۔ تمہاری تو سگی بہن ہے پھر کیوں یقین نہیں کرتے ہو اس پر۔'' عارش اس کی بات سن کے ہنسا تھا۔

''کیونکہ 92 فیصد مارکس لینے کے باوجود بھی میں کنگ ایڈورڈ نہیں جا سکا۔ صرف اس کی وجہ سے۔'' حارث چپ رہ گیا۔

''پوری زندگی پاکبازی کی زندگی گزارنے کے باوجود آج میرے ابو جی کسی کے سامنے نظر اٹھانے کے قابل نہیں رہے۔ صرف اس کی وجہ سے۔'' عارش کی آواز بھر آئی تھی۔

''آج میری ماں اسے بیٹی کہنے سے ڈرتی ہے۔ صرف اس کی وجہ سے آج میں سر حمزہ کے سامنے نظریں نہیں اٹھا پاتا۔ صرف اس کی وجہ سے۔'' عارش کی باتوں کا اس کے پاس شاید کوئی جواب نہیں تھا۔

''اور سر! رہ گئی یہ بات کہ اتنا سب ہو جانے کے بعد بھی آپ اس پر کیوں یقین کرتے ہیں۔ تو سر میں نہیں جانتا کہ کیوں کرتے ہیں؟'' عارش آنکھیں رگڑتے ہوئے باہر نکل گیا۔ حارث نے بے جان ہو کر کرسی کی پشت سے ٹیک لگائی۔ آج ہر فرد حائقہ سے نفرت کرتا تھا۔ اس کے والدین کے نزدیک وہ مر گئی تھی، عارش کے لیے وہ صرف قابل نفرت تھی۔ حمزہ کے گھر والوں کے نزدیک وہ گھٹیا پن کی انتہا تھی۔ حمزہ خود چاہے جتنا مرضی اپنے ظرف کو بلند کرتا مگر دل کے کسی کونے سے اس کی نفرت نکال نہیں سکا تھا۔ صرف وہ تھا جو اسے غلط نہیں کہتا تھا جو اسے بے قصور مانتا تھا۔ اس کی دو وجہ تھیں جس لڑکی کو اس نے پہلی بار ٹوٹ کر چاہا وہ حائقہ ارشد تھی اور جس شخص سے اس نے ٹوٹ کر نفرت کی وہ عمیر راؤ تھا جس کی وہ رگ رگ سے واقف تھا۔

☆......☆

بڑے بوڑھے کہتے ہیں۔ وقت ہر زخم کے لیے مرہم کی طرح ہوتا ہے۔ آہستہ آہستہ اسے مندمل کر ہی دیتا ہے۔ لیکن میرے لیے وقت نشتر ثابت ہوا۔ رفتہ رفتہ مجھے ادھیڑتا ہی چلا گیا۔ میرے وجود کا کوئی حصہ نہ چھوڑا جہاں گھاؤ نہ ہو۔ جہاں سے خون نہ رستا ہو۔ جہاں درد نہ ہوتا ہو۔ عمیر نے پہلے دن سے مجھے مارنے کا جو کام اپنے سر لیا۔ اسے بخوبی نبھایا۔ اس نے مجھے ایک ہی دفع ختم نہیں کیا۔ ہزار بار ختم کیا میری روح تک چھلنی کر دی مجھے اس گھر تک محدود کر دیا۔ باہر کی دنیا سے میرا ہر رشتہ، ہر رابطہ ختم کر دیا۔ میرے خوابوں، امنگوں، خواہشوں

امیدوں اور ارمانوں کو کچل کر ختم کر دیا۔ ہر صبح کی پہلی کرن کے ساتھ وہ مجھے میری اوقات یاد کروا کے اٹھتا تھا اور ہر رات کے پہلے ستارے کے ساتھ ہی مجھے میری اوقات یاد کروا کے سوتا تھا۔ اس کی ذات کا پیار، محبت، رحم، انسیت، ترس نہ جانے کس کے لیے تھے۔ میرے لیے نہیں تھے۔ میرے لیے کیا تھا۔ اس کی ذات کی نفرت، بغض، دشمنی، ظلم، بے حسی، تنفر، بے رحمی یہ سب میرے لیے تھا۔ جو ہر روز ملتا تھا۔ رفتہ رفتہ اس قید خانے میں میری پہلی سردیاں آ گئیں۔ عمیر کی مرضی ہوتی، دل چاہے تو بیڈ...... نہیں تو فرش۔ میں خدا خدا کر کے رات کاٹتی۔ میرے جسم پہ کوئی نیا کپڑا برداشت نہیں ہوتا تھا اس سے۔ میں خود ہی کہہ کر عالیہ کے پرانے کپڑے اور جرسیاں استعمال کرتی۔ سردیاں اپنے جوبن پہ آ گئیں۔ کینو کافی اور کمبل...... میرے لیے یہ تینوں چیزیں ہی پرانی ہو گئیں اور جیسے ہی سردیوں کا زور روٹا، بہار نے ہر طرف قبضہ کیا۔ کینو کم ہونے لگے۔ کافی پھیکی لگنے لگی۔ کمبل تہہ ہونے لگے تو میرے وجود کا پہلا حصہ اس دنیا میں آ گیا۔ میری پہلی بیٹی...... جسے جنم دیتے میں ایک اور بار مر گئی۔

☆......☆

اس دن کوئی بھی گھر پہ نہیں تھا۔ تینوں اپنے اپنے سکول گئے ہوئے تھے۔ اچانک ہی درد اٹھا اور بڑھتا ہی چلا گیا۔ برداشت کرتے کرتے میری بس ہو گئی۔ نہ جانے کیسے میں خود کو گھسیٹتی ہوئی بیرونی دروازے تک آئی تھی۔ آنکھوں کے آگے اندھیرہ چھانے لگا۔ دیوار کا سہارا لے کر میں خود ہی ایک طرف چلنا شروع ہو گئی اور چند قدم چل کے ہی گر گئی۔ تکلیف کی انتہا پہ پہنچ کہ میری آنکھیں بند ہوئی تھیں۔ نہ جانے کس نے مجھے نزدیکی اسپتال تک پہنچایا تھا۔ کوئی بھی نہیں تھا میرے پاس۔ بس مجھے اتنا یاد ہے کہ درد کی حدوں کو چھوتے ہوئے میں نے اللہ کے بعد عمیر کو پکارا تھا۔ پتہ نہیں کتنی دیر میں اسپتال میں پڑی رہی۔ ذرا ہوش آیا تو خود ہی اٹھنے کی کوشش کی شام ہو رہی تھی۔ اسپتال والوں نے ہی مجھے گھر تک پہنچایا۔ مغرب کی اذانیں ہو رہی تھیں جب میں اس چند گھنٹوں کے وجود کو آغوش میں لیے گھر میں داخل ہوئی۔ عمیر ادھر سے ادھر صحن میں چکر کاٹ رہا تھا۔ عالیہ سیڑھیوں پہ بیٹھی تھی۔ مجھے دیکھ کے وہ تیر کی طرح میری طرف آیا۔

''کہاں گئی تھیں تم......؟'' میرے بازوؤں میں چھپے وجود کو دیکھ کے اس کا اٹھا ہاتھ فضا میں ہی رہ گیا۔ میں نے شکوہ کناں نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

''بھائی میں نے کہا بھی تھا کوئی مسئلہ ہو گیا ہو گا۔'' عالیہ تیزی سے میری طرف آئی تھی۔

''کوئی ضرورت نہیں ہے اس سے ہمدردی کرنے کی جاؤ اندر خود چلی جائے گی یہ اندر جب یہاں تک آ گئی ہے تو......'' عمیر نے اسے بازو سے پکڑ کے اندر دھکیلا تھا۔

''آپ بھی جائیں۔'' عالیہ کے پیچھے کھڑی ثمینہ راؤ کو بھی اندر جانے کا اشارہ کیا۔

''میری بس ہو گئی عمیر ابھی اور کتنا سہنا ہے مجھے سب کچھ تو چھین لیا تم نے۔ اب اور کیا بچا ہے میرے پاس؟'' بس وہیں گر گئی تھی۔

''بہت کچھ باقی ہے ابھی حائقہ ارشد! بہت کچھ......'' عمیر مجھے وہیں چھوڑ کے اندر چلا گیا۔ اندر تک میں خود آئی تھی۔ اور اوپر تک مجھے عالیہ نے پہنچایا۔

☆......☆

پھر بہار کو رفتہ رفتہ زوال آنے لگا۔ ہریالی ماند پڑنے لگی۔ رنگ کم ہونے لگے۔ آہستہ آہستہ گرمیوں نے پر پھیلانے شروع کر دیے۔ دوپہریں گرم ہوتی گئیں۔ میری بچی کے ساتھ بھی میرے سے زیادہ بہتر سلوک نہ

ہوا۔ بس مجھے اتنا سکون تھا کہ عمیر کم از کم اس پر ہاتھ نہیں اٹھاتا تھا۔ عالیہ اور میڈم ثمینہ دونوں کا رویہ نہ بہترین تھا۔ نہ بدترین تھا۔ وہ دونوں اگر مجھے کوئی سکھ نہیں دیتی تھیں تو دکھ بھی نہیں دیتی تھیں۔ عالیہ نے میری بیٹی کا نام ماریہ رکھا، ماریہ ثناء۔ نومبر میں عالیہ کی ڈیٹ فکس ہوئی عمیر نے صرف اتنا کہا کہ بس شادی میں کم سے کم لوگوں سے ملوں۔ اپنا منہ بند رکھوں اور زیادہ بکواس نہ کروں۔ نہ جانے ان دونوں ماں، بیٹا نے میرے بارے میں کیا کچھ بتایا تھا عالیہ کے سسرالیوں کو بہرحال میں نے واقعی کوئی بکواس نہ کی۔ جیسے ہی گرمیوں کا زور ٹوٹا، خزاں نے پھیلائے۔ آسمان پیلا ہونے لگا تو عالیہ اپنے گھر رخصت ہوگئی اس روز میں نے پہلی بار عمیر کی آنکھوں میں آنسو دیکھے۔ بہت دیر تک عالیہ کو اپنے ساتھ لگا کر کھڑا رہا۔ میں اس دن بھی اس چار دیواری سے باہر نہ آئی۔ عالیہ کو دیکھ کر مجھے میرا وقت یاد آگیا۔ یہ جو کچھ عالیہ کو ملا تھا۔ یہ سب میرا نصیب بھی تھا۔ میرا بھی حق تھا کہ میری ماں مجھے ساتھ لگا کر روتی، میرا باپ میرے سر پہ ہاتھ رکھتا۔ میرا بھائی مجھے گاڑی تک آغوش میں لے کر جاتا۔ میں بھی دعاؤں میں رخصت ہوتی۔ پر مجھے ملا بھی تو کیا؟

''مرگئیں تم آج سے ہمارے لیے۔'' وہ رات میں نے عمیر کے بازوؤں میں سسکیاں لیتے ہوئے گزاری۔ اس نے بھی کچھ نہ پوچھا۔ پوچھتا بھی کیا؟ اسے کیا پتہ نہیں تھا۔

☆......☆
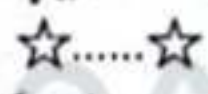
خزاں کے پیچھے پیچھے ہی سردیاں پھر لوٹ آئیں۔ سال ہوگیا مجھے قید تنہائی سہتے سہتے۔ یہ سردیاں تو بہت ہی مشکل سے گزریں۔ نہ عمیر رحم کھاتا نہ سردیاں رحم کھاتیں۔ میں اپنی تکلیف کو پی پی کر بے حال ہوجاتی۔ مجھے یاد ہے اس دن بھی شدید سردی تھی۔ میڈم ثمینہ اپنے کمرے میں تھیں۔ میں ماریہ کو ان کے پاس ہی سلا کر کچن میں آگئی۔ برتن دھونے والے تھے۔ اچانک مجھے باہر عمیر کی آواز آئی۔ عموماً وہ اس وقت گھر آتا ہی نہیں تھا۔

''کہاں ہے حائقہ؟'' انتہائی غصے سے بولتا وہ اندر آیا تھا۔ میں حواس باختہ سی کچن سے باہر نکلی۔ عمیر کی آنکھیں قہر برسا رہی تھیں۔

''کیا لینے آیا تھا یہ یہاں؟'' وہ اونچی آواز میں بولا۔

''کون......؟'' میں نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

''جسٹ شٹ اپ۔ اچھی طرح جانتی ہو تم کہ کون؟'' عمیر ایک دم میرے قریب آیا۔

''عمیر! مجھے نہیں پتہ کہ کون آیا۔'' میری آواز لبوں میں ہی رہ گئی۔ عمیر کے زناٹے دار تھپڑ سے میں دیوار سے ٹکرا گئی تھی۔

''تم نے بلایا تو وہ یہاں آیا ہے ناں۔ بھولی نہیں ہو ناں آج بھی اسے۔'' عمیر دھاڑا تھا۔ میرے ذہن میں پہلا خیال حمزہ کا آیا۔

''حمزہ آیا تھا؟'' میں نے باریک سی آاز میں پوچھا۔ عمیر کا دوسرا تھپڑ میرے چودہ طبق روشن کرگیا۔

''حمزہ اس کی طرح بے غیرت نہیں ہے۔ دنیا جہاں کا گھٹیا پن صرف اسی میں ہے۔ اور ایک تم ہو اس جیسی۔''

''عمیر! پلیز خدا کا واسطہ پلیز رحم کریں۔ مجھے نہیں پتہ کون آیا تھا۔ میں نے کسی کو نہیں بلایا۔ پلیز میرا یقین کریں۔'' بغیر کوئی رحم کھائے۔ وہ میرے بدن پہ بیلٹ کے نشان ڈالتا چلا گیا۔ سخت سردی ٹھنڈا فرش، زخم میں تکلیف میں مرنے والی ہوگئی۔

''تمہاری خاطر تو میرے آگے ہاتھ بھی جوڑ لیے تھے اس نے بڑے دعوے کرتا تھا۔ تم سے پیار کرنے کے۔ تمہاری خاطر ایک ایک کا دل صاف کرتا پھرتا ہے، سب پتہ ہے مجھے۔'' میڈم ثمینہ نے بمشکل اس کا ہاتھ روکا۔ میرے بدن پہ جگہ جگہ خون رسنے لگا تھا۔ ماریہ سہمی ہوئی دروازے کو پکڑے کھڑی تھی۔ میرے لبوں سے سسکیاں بھی نہ نکل سکیں۔

''دنیا میں جتنی نفرت مجھے حارث سے ہے نا۔ اتنی کسی سے نہیں ہے آئندہ یہاں نظر آیا ناں وہ تو کھال ادھیڑ دوں گا تمہاری۔'' ایک جھٹکے سے مجھے زمین پہ پھینکتے ہوئے وہ باہر نکل گیا تھا۔ میں بے جان سی وہیں گری رہ گئی۔ سہارا پا کر بھی اٹھنے کی ہمت نہیں تھی۔

''حارث آیا تھا۔'' میرے ذہن میں عمیر کی آواز گونجی۔

''حارث کو کب مجھ سے پیار ہوا۔ وہ کب گیا تھا عمیر کے پاس میری خاطر ہاتھ جوڑنے۔ اسے کیسے پتہ میں بے قصور تھی؟'' مجھے عمیر کی باتوں پہ یقین نہیں آ رہا تھا۔

''میں نے تو نہیں دیکھا کبھی اس کی آنکھوں میں پیار......'' ذہن سوچے جا رہا تھا۔

''تم نے تو کبھی اس کی آنکھوں میں ہی نہیں دیکھا حائقہ پیار کیسے نظر آتا؟ نہ جانے دل کے کس کونے سے آواز آئی تھی۔ میں رات تک سنبھل نہ سکی۔ تکلیف ناقابل برداشت ہو رہی تھی اور فجر کی اذانوں کے ساتھ ہی مجھے ایک بار پھر جڑواں بیٹیوں کا تحفہ مل گیا۔

☆......☆

زندگی اور مشکل ہو گئی۔ صبح سے لے کر شام تک مجھے ایک لمحے کا بھی سکون نہ ملتا۔ عمیر کے رویے میں کوئی فرق نہ آیا۔ خدا خدا کر کے سردیاں ختم ہوئیں۔ ایک بار پھر بہار نے پر پھیلائے اور اس دن عالیہ نے مجھے فون کر کے بتایا۔ Pcs نے ٹیسٹ کی ڈیٹس اناؤنس کر دی تھیں۔ میرے اندر ایک بار پھر پرانی حائقہ جاگ گئی۔ وہ بائیس سال والا جنون ایک بار پھر زندہ ہو گیا۔ ایک بار پھر سر شوکت راؤ والی فزکس یاد آ گئی۔ ایک بار پھر چار سو بچوں کی کلاس کو پڑھانے کا دل کرنے لگا۔ ایک بار پھر انگلیوں میں مارکر پکڑنے کا دل کرنے لگا۔ میں نے عمیر کی بہت منتیں کیں۔ اس کے قدموں سے لپٹ کر میں رو رو کر بے حال ہو گئی۔ اس کے تھپڑ سہہ لیے۔ اس کی دی ہر تکلیف برداشت کر لی مگر ضد کرنے سے باز نہ آئی۔ عالیہ نے مجھے میری رول نمبر سلپ بھی بھجوا دی۔ میری ضد اور بڑھ گئی۔ ''عمیر! خدا کے لیے مان جائیں۔ خدا کا واسطہ میں نے بہت انتظار کیا ہے اس دن کا پلیز میری بہت پرانی خواہش ہے یہ۔ میں نے خود سے وعدہ کیا تھا کالج دوبارہ جانے کا اب وقت آیا ہے تو مجھے نہ روکیں پلیز۔'' عمیر نے میری ایک نہ سنی۔ میں روتی رہ گئی۔ اسے ذرا ترس نہ آیا۔

''حائقہ! تم پاگل ہو گیا جو تمہیں اپنی مرضی سے سانس لینے کی بھی اجازت نہیں دیتا۔ وہ کالج جانے کی اجازت کیسے دے گا۔'' میڈم ثمینہ شائد اپنی جگہ درست تھیں مگر میں اپنے دل کا کیا کرتی جو روئے جا رہا تھا۔ ٹیسٹ والے دن عمیر نے مجھے اوپر کمرے میں بند کر دیا۔ میں دروازہ بجا بجا کر پاگل ہو گئی۔ کہنیوں سے خون رسنے لگا مگر عمیر کو ترس نہ آیا اسے کیسے ترس آتا؟ ترس تو ان پر آتا ہے جن کے لیے دل میں ذرا سی بھی محبت ہوتی ہے اور اس کے دل میں میرے لیے صرف نفرت تھی۔ بے تحاشہ نفرت میں رو رو کے تھک گئی اور دن گزر گیا۔ دل رو رو کر خود ہی چپ کر گیا۔ عمیر نے شام تک دروازہ نہ کھولا۔ پورا دن بھوکی پیاسی رو رو کر مجھ پہ بے ہوشی سی طاری ہونے لگی۔ اور نہ جانے کب میری آنکھیں بند ہو گئیں۔

☆......☆

تقریباً رات کے دس بج رہے تھے جب وہ لاہور سے واپس آیا۔ آج اس کا Pcs کا ٹیسٹ تھا۔ لاؤنج کی لائٹ جلاتے ہوئے وہ کچن میں آیا۔ فریج سے بوتل نکالی اور پانی پینے لگا۔

"کیسا ہوا ٹیسٹ؟" ثمینہ راؤ نہ جانے کب دروازے میں آ کے کھڑی ہوئی تھیں۔

"اچھا نہیں ہوا دیکھیں کیا بنتا ہے؟" اس نے کرسی گھسیٹتے ہوئے کہا اور وہیں بیٹھ گیا۔ ثمینہ راؤ بھی اسے کھانا گرم کر کے دینے کے بعد وہیں بیٹھ گئیں۔ وہ چپ چاپ کھانا کھانے لگا ثمینہ راؤ چند لمحے اسے دیکھتی رہیں پھر بولیں۔

"کیا تھا جو اسے بھی لے جاتے۔ سارا دن دروازہ بجا بجا کے روتی رہی ہے۔ اس نے کونسا لازمی پاس کر لینا تھا۔" عمیر نے ایک نظر انہیں دیکھا۔

"اور اگر کر لیتی تو......؟" اس نے پوچھا۔

"تو تمہارا کیا جاتا عمیر! کوئی شخص کسی کے حصے کا نہیں چراتا۔ سب اپنے اپنے حصے کا کھاتے ہیں۔" عمیر نے ایک دم ان کی بات کاٹی۔

"ماما پلیز! مجھے دوسروں کا نہیں پتہ لیکن وہ میرے حصے کا ہی چھینتی ہے۔" ثمینہ راؤ چپ ہو گئیں۔ عمیر نے کھانا ختم کر لیا۔

"جاؤ جا کر دیکھو کہ زندہ بھی ہے یا مر گئی۔" وہ کھانے کے برتن اٹھاتے ہوئے بولیں۔

"زندہ ہی ہوگی۔ بہت ڈھیٹ ہے اتنی جلدی تھوڑی ناں مرے گی۔" مسکراتے ہوئے وہ اوپر آیا۔ لاک کھول کے اندر آیا تو پورا کمرہ اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس نے موبائل کی سرچ لائٹ آن کی اور نظر بیڈ پہ پڑی حائقہ کے چہرے پہ آ کے رک گئی۔ منظر نظر انداز کرنے والا تھا بھی نہیں۔ دائیں ہاتھ سے بائیں کندھے کو پکڑے وہ دوپٹے سے بے نیاز سمٹی ہوئی بیڈ پہ پڑی تھی۔ بال چہرے پہ گرے ہوئے تھے اور گالوں پہ آنسوؤں کی مٹی مٹی سی قطاریں اب بھی پائی تھیں۔ عمیر لائیٹ جلانا بھول گیا۔ ہولے ہولے چلتا ہوا اس کے عین سامنے آ بیٹھا۔ وہ ہولے سے کسمسائی تھی۔ عمیر نے جیسے کسی ٹرانس کے زیر اثر آہستہ سے اس کے چہرے پر سے بال ہٹائے اور...... بہت دیر تک نظریں نہ ہٹا سکا۔ نظریں تو وہ بہت دیر تک اس دن بھی نہیں ہٹا پایا تھا جب ٹریننگ کے پہلے دن یکھا تھا۔ جب ٹریننگ کے آخری دن دیکھا تھا۔ جب اسے اپنے سامنے روتے ہوئے دیکھا تھا جب اسے اپنے انتہائی قریب محسوس کیا تھا۔ جب اس کے پھول چہرے کو روئے دیکھا تھا۔ جب پہلی رات اس کی بھیگی آنکھوں کو بہت قریب سے دیکھا تھا۔ وہ مانے یا نہ مانے۔ جادو تو اس پر بھی ہوا تھا۔ نظروں کے ارتکاز سے وہ دوبارہ کسمسائی اور عمیر کی بس ہو گئی۔ "How dare you to sleep without me. تم میرے بنا کیسے رہ سکتی ہو؟" سرگوشی میں کہتے ہوئے اس نے ایک دم اسے دونوں بازوؤں میں بھرا تھا۔ حائقہ نے یکدم آنکھیں کھولیں۔ عمیر پاگل ہوا جا رہا تھا۔ حائقہ اس کی سانسوں کی شورش سے ہار سی گئی۔

"عمیر میں نے واپس وہاں جانا تھا۔" وہ کہتی ہوئی عمیر کی دھڑکنیں اوپر کر گئی۔

"وہ میری لیب تھی عمیر وہ میری جگہ تھی۔" عمیر نے اسے مزید بولنے ہی نہ دیا۔ اسے اپنے اندر گم کرتا چلا گیا۔

☆......☆

بہار کو مار بھگا کے گرمیاں ایک بار پھر حکومت کرنے لگیں۔ میں نے خود کو وقت کے رحم و کرم پہ چھوڑ دیا۔

ماریہ نے چلنا شروع کر دیا تھا۔ عالیہ بھی کبھار چکر لگا لیتی ہر گرمیاں ختم ہوتے ہی ساون شروع ہو گیا۔ ہر طرف بوندیں ہر طرف بارش...... پتے جیسے ہی پیلے ہو کر جھڑے۔ میری گود میں ایک اور بیٹی آ گئی۔ قدرت کو بھی رحم نہ آ رہا تھا۔ میں اس رات عمیر کے قدموں میں گر گئی اس کے پاؤں پر گرے ہوئے اپنے آنسوؤں سے گیلے کرتے ہوئے۔ منتیں کرتے ہوئے میں بے حال ہو گئی۔ ''عمیر! خدا کا واسطہ بس کر دیں۔ میں مر گئی ہوں اندر سے عمیر اب بس کر دیں چار بیٹیاں ہو گئی ہیں اب رحم کر دیں مجھ پر۔'' پر عمیر کو رحم کہاں آنا تھا۔

''ایک بیٹا دے دو بس۔'' مجھے پاؤں سے پیچھے کرتے ہوئے بولا۔ جیسے بیٹا دینا میرے بس میں تھا اور عمیر کو بیٹے سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ اسے صرف میری موت چاہیے تھی۔ ایڑیاں رگڑ رگڑ کے سسکتی ہوئی موت، بے رحم سردیاں پھر لوٹ آئیں۔ میں حد سے زیادہ بیمار ہو گئی منہ سے تھوک کے ساتھ خون بہنے لگا۔ موت میری نظروں کے سامنے سے ہو کر پلٹ گئی۔ اسے بھی مجھ پر ترس نہ آیا۔ فروری میں میڈم ثمینہ کی پرموشن ہو گئی سردیوں کے بعد بہار اور پھر سے لمبی، سلگتی گرمیاں اگست کے آخر میں قدرت نے پھر امتحان لے لیا۔ جڑواں بیٹیوں کو دیکھ کر میں پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ پتہ نہیں مجھ سے کیا گناہ سرزد ہو گیا تھا۔ جس کی سزا ختم ہونے میں ہی نہ آ رہی تھی ایسی کونسی سنگین غلطی ہو گئی تھی مجھ سے جو اللہ کو رحم ہی نہ آ رہا تھا۔

کہتے ہیں پروردگار کسی پر اس کی اوقات سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔ اب نہ جانے بوجھ زیادہ ہو گیا تھا یا شاید میری اوقات ہی اتنا بوجھ سہنے کی تھی۔ نہ جانے کب یہ سزا ختم ہونی تھی۔ نہ جانے کب یہ عذاب ٹلنا تھا میں نے تو رو رو کر معافیاں بھی مانگیں۔ اپنی دعائیں لمبی سے لمبی کرتی چلی گئی۔ طاق راتوں میں گڑگڑاتی سخت سردیوں میں تہجد پڑھ کے ماتھا رگڑا۔ لبوں پر بس ایک ہی جملہ ہوتا ''اللہ مجھے معاف کر دے۔ میری آزمائش ختم کر دے۔''

وقت گزرتا چلا گیا۔ میڈم ثمینہ کی وجہ سے میری بڑی بیٹیاں اسکول جانے لگیں۔ بارشیں ختم ہوئیں تو ظالم سردیاں ایک بار پھر لوٹ آئیں۔ مجھے برے طریقے سے شدید قسم کا نمونیا ہو گیا۔ آنکھیں کئی کئی انچ اندر اتر گئیں۔ خود کو آئینے میں دیکھتی تو خوف آتا، رو رو کر سردیاں ختم ہوئیں، موسم ذرا بدلا تو مجھے سکون آیا۔ گرمیاں شروع ہوئیں تو خون کی الٹیاں آنے لگیں۔ بمشکل عمیر کی منت سماجت کر کے میڈم ثمینہ مجھے ڈاکٹر کے پاس لے گئیں۔ رپورٹس دیکھ کر میں سن رہ گئی۔

ابھی تو شاید تکلیفوں کا ایک لمبا دور باقی تھا۔

ابھی مزید بہت امتحان باقی تھے۔

ابھی کہاں معافی ملنی تھی مجھے۔ شاید جرم ہی بہت سنگین تھا۔ مجھے بلڈ کینسر ہو گیا تھا۔

☆......☆
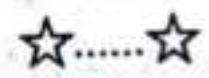
اس دن عالیہ کی ڈیلیوری تھی۔ میڈم ثمینہ، عمیر کے ساتھ اسے دیکھنے اسپتال چلی گئیں۔ عمیر باہر سے دروازہ لاک کر گیا تھا۔ میں نے ہولے ہولے سارے کام نمٹائے۔ فارغ ہوئی تو تقریباً بارہ بج رہے تھے۔ جڑواں بیٹیوں کو گود میں لیے میں لاؤنج میں آ گئی۔ دونوں سو گئیں۔ انہیں صوفے پر لٹاتے ہوئے اچانک میری نظر ٹیلی فون ڈائری کے ساتھ پڑے بورڈ مارکرز پر پڑی۔ وہ یقیناً عمیر کے تھے۔ دل ایک دم چمک گیا۔ میں نے بہت کوشش کی خود کو روکنے کی مگر قدم ان کی طرف اٹھتے چلے گئے۔ لرزتی انگلیوں سے میں نے وہ مارکر اٹھایا تھا۔ عجیب سا لگا۔ بہت عرصہ ہو گیا تھا انگلیوں سے اسے جدا کیے۔ میں ہولے ہولے چلتی ہوئی لاؤنج کی گلاس وال کے بالکل سامنے باہر کی طرف آ گئی۔ گیٹ کا سارا منظر اس میں واضح نظر آ رہا تھا۔ چند لمحے یونہی کھڑے رہنے

کے بعد میں نے مارکر کا ڈھکن کھولا۔ دل عجیب سے انداز میں دھڑکنے لگا تھا۔ مارکر سیدھے ہاتھ کی انگلیوں میں دبا کے اس کی نوک میں نے گلاس وال سے لگائی۔ ہاتھ بری طرح لرز رہا تھا۔ کچھ یاد ہی نہ آیا۔ میں دھک سے رہ گئی۔ کیا واقعی میں سب بھول چکی تھی۔ آنکھوں کو یقین نہ آیا تو بے یقین سی ہو کر بند ہو گئیں۔

وہ کیا چند دنوں کا سبق تھا جو میں بھول جاتی۔

ابو جی کی جھڑکیاں تھیں جو میں بھلا دیتی۔ وہ کیا کوئی حادثہ تھا جو میں چند دن ذہن میں رکھ کر محو کر دیتی۔

نہیں...... وہ میرے سولہ سال تھے۔ رل رل کے کندن کیے سولہ سال۔ وہ کوئی سبق نہیں تھا۔ کوئی کہانی نہیں تھی۔ کوئی افسانہ نہیں تھا جو میں بھول جاتی۔

وہ تو فزکس تھی۔ میرے خون میں شامل، میری سانسوں میں گھلی۔ میرا پہلا عشق...... کیسے بھول سکتی تھی میں۔

سولہ سال لمحوں میں زندہ ہو کے میرے سامنے آ کھڑے ہوئے۔ میں نے یکدم آنکھیں کھولیں، مارکر چلنا شروع ہو گئی تھی۔ میں لکھتی چلی گئی۔ گلاس وال سیاہ ہوتی جا رہی تھی۔ میری آنکھوں میں مرچیں سی بھرنے لگیں۔ آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر گرنے لگے۔

آنسو رکنے میں نہیں آ رہے تھے۔ میری تینوں بڑی بیٹیاں حیرت سے کھڑی مجھے دیکھ رہی تھیں۔

میرا پورا وجود کانپنے لگا۔ پوری گلاس وال سیاہ ہو چکی تھی۔ پیچھے کا منظر نظر آنا کم ہو گیا تھا۔

اچانک مجھے لگا جیسے گلاس میں کسی کا عکس ہلا ہو۔ آنسوؤں کے درمیان آنکھیں پھاڑ کے میں نے غور سے گلاس وال میں دیکھا تھا۔ مارکر ایکدم رک گیا۔ عمیر نہ جانے کب میرے پیچھے آ کے کھڑا ہوا تھا۔ نہ جانے کب سے میرا پاگل پن دیکھ رہا تھا۔ مارکر میری انگلیوں سے گر گیا۔ بمشکل میں پیچھے کو مڑی تھی۔ عمیر بے یقین نظروں سے کبھی مجھے دیکھتا اور کبھی سیاہ ہوئی گلاس وال کو۔ میں ایکدم وہیں فرش پر گری تھی۔

''میرے دل سے کیسے نکالو گے یہ سب...... کیسے؟'' میں نے روتے ہوئے کہا تھا۔ عمیر بول نہ سکا۔

☆......☆

اور اس دن کے بعد مجھ پر جو دور آیا اس کا ایک ایک لمحہ گزرے ایک ایک سال کے برابر تھا۔ دسمبر نے آتے ہی ساتویں بیٹی کا تحفہ دے دیا۔ چھ بیٹیوں کے ساتھ گزارے چار سال ایک طرف اور ساتویں بیٹی کے ساتھ گزرا پانچواں سال دوسری طرف۔ وہ پھر بھی بھاری تھا مجھے سانس لینا دوبھر لگنے لگا۔ عمیر نے بات کرنا تو چھوڑ ہی دیا صرف تھپڑ، صرف ٹھڈے، صرف مار...... میں شکل سے بے شکل ہو گئی۔ بال سفید ہوتے چلے گئے۔ خون نچڑتا چلا گیا۔ رنگ ہلدی اور آنکھیں کئی کئی انچ اندر اتر گئیں۔ چہرے اور جسم پر نیل کے نشان جیسے مستقل ہو گئے۔ میں عمیر سے بات کرتے ہوئے بھی رو پڑتی۔ رو رو کے آنکھیں سوج گئیں۔ مستقل بخار جیسی کیفیت رہنے لگی۔ کھانسی کے دورے پڑنے لگے۔ بے خوابی کا مرض الگ سے لاحق ہو گیا۔ بلڈ پریشر انتہائی لو رہنے لگا اور کینسر رفتہ رفتہ بڑھتا ہی گیا۔

واقعی موت کی سزا تو بہت آسان ہے۔ عمیر نے میرے لیے یہ ہی چنی میں پانچ سال جی جی کر مر گئی۔ ہر رات سونے سے پہلے وہ مجھے قبر میں اتار دیا اور صبح اٹھ کے واپس باہر کھینچ لیتا۔ دوبارہ سے درگور کرنے کے لیے۔

ان پانچ سالوں میں عمیر نے مجھ سے سب کچھ چھین لیا۔ سب کچھ۔

☆......☆

عارش نے رونے دھونے کے بعد بی ایس سی میں ایڈمیشن لے لیا۔ شروع شروع میں تو دل ہی نہ لگا۔ کتابوں کی شکل دیکھنے کو ہی دل نہ کرتا، یونہی بیٹھے بیٹھے رونا آجاتا۔ جس چیز کے لیے آپ کوشش ہی نہیں کرتے اس کے نہ ملنے کا غم بھی زیادہ نہیں ہوتا لیکن جسے حاصل کرنے کے لیے انسان جان مار دے اور وہ چیز حاصل ہو کے لاحاصل ہو جائے۔ اس کے لیے غم بہت چھوٹا لفظ ہوتا ہے۔ عارش بھی بی ایس سی کرتے ہوئے سو سو بار مرا اور سو سو بار جیا۔ بی ایس سی اچھے نمبروں سے پاس کرنے پر اسکالرشپ ملی تو بیسک سائنس میں ایم ایس سی کرنے کی بجائے اس نے ایم ایس فوڈ سائنس میں ایڈمیشن لے لیا۔ وقت نے آہستہ آہستہ ان کے زخموں پر مرہم رکھ ہی دیا۔ رائل اکیڈمی عروج پر جا پہنچی۔ جہاں فزکس، وہاں سر عمیر راؤ۔ مگر عمیر کی بادشاہت کے سائے میں بھی حارث نے دی اسٹار اکیڈمی کو قائم رکھا۔ ناعمہ اور نمرہ کی شادیاں ہو گئیں تو ماں باپ نے اسے بہت زور لگایا مگر اس کا ایک ہی جواب ابھی نہیں اور شاید کبھی نہیں۔ حمزہ نے بھی پہلی محبت کو بھولنے میں پانچ سال لگا ہی دیئے اور پھر بیمار ماں کے انتہائی مجبور کرنے پر شادی پر راضی ہوا۔

☆......☆

اس دن میں اور میڈم ثمینہ لاؤنج میں بیٹھے عالیہ کے بارے میں باتیں کر رہے تھے جب عمیر اندر داخل ہوا۔ میں اسے دیکھ کے ایک دم کھڑی ہو گئی۔ اس نے عجیب سی نظروں سے مجھے دیکھا۔ میڈم ثمینہ کا سیل فون بجا تو وہ اٹھ کر باہر چلی گئیں۔ عمیر چند لمحے یونہی مجھے دیکھتا رہا پھر بولا۔

"حائقہ! ایک بات بتاؤ۔ کیا ملا تمہیں مجھ سے پیار کر کے۔" میں اس کی بات کا فوری جواب نہ دے سکی۔

"کیا ملا تمہیں فزکس میں ایم ایس سی کر کے حارث کے کہنے پر دی اسٹار جوائن کر کے، سر شوکت راؤ کی جگہ کھڑے ہونے کے خواب دیکھ کے۔ ون اینڈ اونلی ہونے کے خواب دیکھ کے۔" وہ بولتا جا رہا تھا۔

"بولو! چپ کیوں ہو؟ کیا ملا تمہیں خواہ مخواہ میرے آگے کھڑے ہو کے میرے رستے کی رکاوٹ بن کے میری ذات پر انگلی اٹھا کے۔" مجھے لگا جیسے کچھ ہونے لگا ہو مگر کیا؟

بہت آرام سے میں نے تمہیں اس دن کہا تھا کہ میرے رستے میں مت آؤ۔ لیکن تم نہیں مانیں۔ پھر میں نے حارث سے کہا کہ تمہیں سمجھائے اس نے بھی میری بات ایک کان سے سن کے دوسرے سے نکال دی۔ کیا ملا تمہیں چند ماہ کے لیے اس کا ساتھ مل کر بولو۔ کیا ملا تمہیں کچھ عرصے کے لیے اتنا اونچا اڑ کر۔ مجھ سے الجھ کر۔ میرے حصے کا آسمان چھین کر۔ میری منزل میں حصے دار بن کر۔" عمیر میرے سامنے آ کھڑا ہوا۔ دونوں انگلیوں سے میرا چہرہ اوپر اٹھایا اور میری آنکھوں میں دیکھ کر پھر بولا۔

"کچھ بھی نہیں ہے ناں کچھ بھی نہیں ملا تمہیں مجھ سے چند ماہ کی دشمنی مول لے کر آج کیا ہے تمہارے دامن میں۔ ایک ذرہ بھی نہیں۔ ایک قطرہ بھی نہیں جسے تم اپنا کہہ سکو۔ نہ تو یہ زمین تمہاری ہے جس پر کھڑی ہو اور نہ ہی یہ چھت جس کے نیچے کھڑی ہو۔ کہاں ہے تمہاری وہ عزت، وہ غرور، جس پر کوئی بھی لڑکی ناز کر سکتی ہے۔ کہیں بھی نہیں کہاں ہے تمہارے گزرے سالوں کا صلہ۔ کہیں بھی نہیں سولہ سالوں کی پڑھائی۔ کہیں بھی نہیں کہاں ہے میرے ساتھ گزارے پانچ سالوں کا صلہ؟" میں نے بھیگی آنکھوں سے نظر اٹھا کے عمیر کو دیکھا تھا۔

"وہ پڑا ہے۔" عمیر نے میز کی طرف اشارہ کیا۔ میرا دل ایک دم ساکت ہوا۔ کیا تھا وہ شاید وہ جو نہیں ہونا چاہیے تھا۔

"آج بالکل خالی ہاتھ ہو تم حائقہ! بالکل خالی ہاتھ اور میں ایسا ہی دیکھنا چاہتا تھا تمہیں۔ بے آسرا بے سرو سامان۔" میرے آنسو ٹوٹنا شروع ہو گئے تھے۔ آگہی حقیقت سے زیادہ خوفناک لگ رہی تھی۔

"ویسے تم یہ بھی نہیں کہہ سکتیں کہ میں نے پانچ سالوں میں تمہیں کوئی صلہ نہیں دیا۔ یہ تمہاری سات بیٹیاں میرا ہی دیا تحفہ ہیں ناں۔" وہ ہولے سے مسکرایا۔

"آج اگر میں تمہیں آزاد کرتا ہوں تو کیا کرو گی؟ کہاں جاؤ گی؟ اپنے گھر...... بالکل نہیں تمہارا باپ تمہارے لیے دروازہ ہی نہیں کھولے گا۔ حمزہ کے گھر چہ چہ کیا منہ لے کر جاؤ گی۔ اس کے گھر والے تم پر تھوکیں گے بھی نہیں اور ویسے بھی۔ کل رات اس کا نکاح ہے تو رہ گیا تمہارا اون اینڈ اونلی ہمدرد، حارث اسی کے پاس جاؤ گی ناں مگر اسے اپنی دو شادی شدہ بہنوں کے ہنستے بستے گھر تم سے زیادہ عزیز ہوں گے۔ صرف ایک ویڈیو اور تم تو جانتی ہو کہ ہمارے معاشرے میں غلط ہمیشہ لڑکی ہی ہوتی ہے۔" میں کسی درخت کی طرح ساکت کھڑی اس سے اپنے آنے والی زندگی کا فلسفہ سن رہی تھی۔

"پھر تم کرائے کا مکان ڈھونڈو گی۔ اکیلی لڑکی کو سات بیٹیوں کے ساتھ کون اپنا گھر دے گا۔ کوئی نہیں کہاں پڑھاؤ گی۔ کیسے پڑھاؤ گی۔ کون تم سے پڑھنے پر راضی ہوگا۔ کوئی نہیں پھر کیسے اپنا اور اپنی بیٹیوں کا پیٹ بھرو گی۔ دوسروں کے گھروں میں کام کر کے مگر تمہیں کام کون دے گا۔ کوئی نہیں۔" اب کے وہ ہنسا تھا۔

"ہر رستہ بند ہوگا حائقہ! یہاں سے نکلنے کے بعد کہاں جاؤ گی۔ کیا کرو گی؟" عمیر میرے سامنے آیا۔

"میں جانتا ہوں تب تم کیا کرو گی۔ تم مر جاؤ گی۔ کیونکہ اس کے علاوہ تمہارے پاس اور کوئی رستہ نہیں ہوگا۔ کوئی نہیں۔" عمیر نے زور سے ہنستے ہوئے میز پر پڑے کاغذوں پر سائن کیے تھے۔ میں اسے روک بھی نہ سکی۔

"میں عمیر راؤ بہ ہوش و حواس حائقہ ارشد کو طلاق دیتا ہوں۔" مجھے ایک دم ہوش آیا۔ اندر آتیں میڈم ثمینہ بھی اس کے الفاظ سن چکی تھیں۔

"عمیر! رک جائیں خدا کے لیے رک جائیں۔ میں کیا کروں گی۔ خدا کا واسطہ اتنا بڑا ظلم نہ کریں۔ جو چاہے سلوک کر لیں۔ میں اف تک نہیں کروں گی۔ آواز تک نہیں نکالوں گی مگر ایسا نہ کریں۔" میں اس کے قدموں سے لپٹ کے رو رہی تھی۔

"طلاق دیتا ہوں۔" اس نے دوسری بار کہا۔ میں اونچی آواز میں روتے ہوئے میڈم ثمینہ کے پاس آئی تھی۔

"میڈم پلیز! انہیں روکیں میں کہاں جاؤں گی پلیز۔" اور اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتیں عمیر کے لب تیسری بار بھی ہل گئے۔

"عمیر......!" اونچی آواز میں کہتی ہوئی میں تیر کی طرح عمیر کی طرف آئی تھی اور اس کے لبوں پر اپنا ہاتھ رکھا مگر...... دیر ہو چکی تھی۔ اس نے جو کہنا تھا کہہ چکا تھا۔ ہولے سے اس نے مجھے پیچھے کو دھکیلا۔ میرے آس پاس کی دنیا یکدم خاموش ہو گئی۔

"صرف آج رات تک کا وقت ہے تمہارے پاس۔ صبح تمہاری شکل نظر آئی تو خود باہر پھینک دوں گا۔" وہ مجھے کہتے ہوئے اوپر چلا گیا۔ میں اپنی جگہ سے جنبش بھی نہ کر سکی۔ میڈم ثمینہ بے یقینی کی سی صورت میں صوفے پر آ کر گر گئیں۔ میں ہولے سے وہیں فرش پر بیٹھ گئی۔ سب کچھ ختم ہو گیا تھا۔ واقعی آج کیا تھا میرے پاس، کچھ بھی

نہیں۔ ایک ذرہ بھی نہیں۔ ہر رستہ بند تھا۔ ہر طرف اندھیرا تھا۔ اس لمحے میں سچ مچ مر گئی تھی۔

واقعی......!

ایسی ہی ہوتی ہے موت،

انسان بے جان ہو جاتا ہے۔

بے سروسامان ہو جاتا ہے۔

خالی ہاتھ رہ جاتا ہے۔

آنکھیں کھلی رہ جاتی ہیں۔

زبان خاموش ہو جاتی ہے۔

جسم خالی ہو جاتا ہے۔

اور......

روح ساتھ چھوڑ جاتی ہے۔

وہاں اس لمحے اس فرش پر دیوار کے ساتھ گرے ہوئے میں بھی مر گئی تھی۔

☆......☆

نہ جانے میری کون سی بیٹی روئی تھی۔ میں جیسے ہوش میں آئی۔ وہ مسلسل رو رہی تھی۔ ہلکا ہلکا اندھیرا چھانے لگا تھا۔ میں نے لاؤنج میں چاروں طرف نظر دوڑائی، سب سے چھوٹی بیٹی صوفے پر پڑی رو رہی تھی اور ماریہ اسے تھپک تھپک کے چپ کروانے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔ میں یکدم اٹھی کچن سامنے ہی تھا۔ میں بھاگ کے کچن میں آئی۔ ریک سے چھری کھینچی۔ واپس باہر آئی۔ ماریہ کو بازو سے پکڑ کے ایک طرف کیا اور چھوٹی والی کے گلے پر چھری رکھ دی۔

"جانتی ہو حائقہ! جس رات یہ ننھا وجود تمہاری گود میں آنے والا تھا ناں اس رات اس نے روتے ہوئے سات آسمانوں کے پروردگار سے پوچھا۔ میں زمین پر جا کے لوگوں سے باتیں کیسے کروں گی؟ پروردگار نے کہا۔ "میں نے پہلے ہی ایک فرشتہ زمین پر بھیج دیا ہے۔ وہ تمہیں سکھائے گا یہ پھر روئی اور اس نے پوچھا۔ میں آپ سے دعا کیسے کروں گی۔ پروردگار نے کہا۔ فرشتہ تمہیں سکھائے گا۔ اس نے پھر کہا۔ مجھے کھانا کھانا کون سکھائے گا؟ پروردگار بولا۔ وہی فرشتہ۔ اس نے پھر پوچھا۔ میں روئی تو چپ کون کروائے گا۔ پروردگار نے پھر کہا۔ وہی فرشتہ۔ اس نے ہولے سے پوچھا۔ میں اس فرشتے کو کیسے ڈھونڈوں گی۔ تو پروردگار نے مسکرا کر کہا۔ یہ کوئی مشکل بات نہیں ہے۔ زمین والے اس فرشتے کو ماں کہتے ہیں۔ میرے ہاتھوں سے چھری گر گئی۔ میں میڈم ثمینہ کو دیکھتی رہ گئی۔

"پھر اس نے آخری سوال پوچھا۔ اور اگر فرشتے نے مجھے مارا تو؟ حائقہ رب مسکرا دیا اور بولا وہ میرا دوسرا روپ ہے۔ ماں صرف پیار کرنا جانتی ہے۔

میں جیسے بے آواز رو رہی تھی۔ میڈم ہولے سے میرے قریب آئیں۔

"تکلیفوں اور مصیبتوں کے عروج پر بے بسی کی انتہاؤں پر دکھوں کی حدوں پر اندھیروں کے بام پر۔ ہمیشہ موت نہیں چنی جاتی حائقہ۔ ضروری نہیں ہے کہ قبر کے سرہانے کھڑے ہو کر ہم زندگی اور موت میں سے موت ہی چنیں زندگی بھی چنی جا سکتی ہے۔" انہوں نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا۔

''آخر کیسے؟'' میں بے جان سی ہو کر فرش پر گری تھی۔ وہ میرے پاس ہی بیٹھ گئیں۔
''کیا مطلب ہے کیسے حائقہ! تم اس نبی کی امتی ہو جس نے لہولہان ہونے کے باوجود اپنے دشمنوں کو صرف دعائیں دیں۔ اس پاک ہستی سے زیادہ تنہا تو نہیں ہو ناں آج تم، اس سے زیادہ تکلیفیں تو نہیں سہی ناں تم نے۔ پھر کیوں اتنی مایوس ہو رہی ہو۔ کیا ہوا جو گھر چھن گیا رشتے چھن گئے۔ کھڑے ہونے کے لیے زمین تو ابھی بھی ہے ناں سر پر نیلا آسمان تو ابھی بھی سلامت ہے۔ سانس لے رہی ہو زندہ ہو۔ بے شک نہ جیو اپنے لیے اپنے وجود کے ان ٹکڑوں کے لیے جیو۔ ثابت کردو کہ قبر میں اتر کے بھی جیا جاسکتا ہے۔'' وہ مجھے حوصلے پر حوصلہ دے رہی تھیں۔
''مگر کیسے کیا کروں میں؟'' میرے اندر کی حائقہ زندہ ہی نہیں ہو رہی تھی۔
''جب حضور پاک پر دکھوں اور تکلیفوں کی انتہا ہو گئی تھی تو جانتی ہو انہوں نے کیا کیا تھا...... ہجرت! اپنا شہر چھوڑ دیا تھا۔ مدینہ چلے گئے تھے لیکن ہمت نہیں ہاری۔ حوصلہ نہیں کھویا۔ اللہ پر یقین نہیں کم کیا اور صلہ کیا ملا؟ اسی شہر میں فاتح بن کر واپس آئے۔ تم اسی رسول کی امتی ہو حائقہ۔'' وہ مجھے رستہ دکھا رہی تھیں۔ میں نے دونوں ہاتھوں کی پشت سے آنسو پونچھے۔
''چلی جاؤ یہاں سے۔ بہت گھٹن ہے تمہارے لیے اس شہر میں۔ سانس لینا مشکل ہو جائے گا۔ چھوڑ دو اس شہر کو۔ کہیں اور چلی جاؤ۔ شاید وہاں کی مٹی کو تم پر ترس آجائے۔'' میں نے ان کی طرف دیکھا اندھیرا چھانے لگا تھا۔
''اٹھو شاباش! عمیر تم سے سب کچھ چھین سکتا ہے۔ تمہاری ہمت اور حوصلہ نہیں چھین سکتا۔ جاؤ اپنا سامان لو اور خود فیصلہ کرو کہ کہاں جانا ہے۔'' وہ میرے کندھے پر تھپکی دیتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ میں اوپر آئی۔ عمیر شاید باہر کہیں گیا ہوا تھا۔ میں نے اپنے اور بچیوں کے کپڑے باندھے۔ بمشکل دو بیگ ہوئے۔ اس کے علاوہ اور کچھ تھا ہی نہیں۔ سامان باندھ کے میں نے کاغذ اور پینسل اٹھائی۔ چند سطریں لکھیں اور چادر اٹھا کے نیچے آگئی۔
''تھوڑی دیر میں آتی ہوں۔'' میں نے میڈم ثمینہ کے کمرے میں جھانک کر کہا۔
''کہاں جا رہی ہو؟'' انہوں نے پوچھا۔
''کچھ قرضے باقی ہیں اب تک۔ جانے سے پہلے چکا دینا چاہتی ہوں۔'' انہوں نے ہولے سے سر ہلایا تھا۔ میں باہر آئی تو عشاء کی اذانیں شروع ہو گئی تھیں۔ آسمان سیاہ بادلوں سے بھر گیا تھا اور ٹھنڈی ہوا آر پار ہو رہی تھی۔ بڑی مشکل سے میں اس کے گھر تک پہنچی۔ دروازہ اسی نے کھولا اور مجھے دیکھ کے حیران رہ گیا۔
''حائقہ......'' اس کی حیرانی سے لبریز آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔
''آپ کے چند منٹ چاہئیں بس۔'' میں نے ہولے سے کہا۔ وہ مجھے ڈرائنگ روم میں لے آیا۔ بہت دیر تک خاموشی رہی۔ آخر میں نے خاموشی کو توڑا۔
''آپ نے میرے لیے عمیر کے آگے ہاتھ کیوں جوڑے تھے۔'' میرے سوال پر وہ کافی دیر تک بول نہ سکا۔ خاموش سا بیٹھا رہ گیا۔ میں نے پہلی بار غور سے اس کی آنکھوں میں دیکھا اور زیادہ دیر تک دیکھ نہ سکی۔ وہاں کوئی ایک آدھ ندی نالہ ہوتا تو ناں وہاں تو محبتوں کے طوفان انگڑائیاں لے رہے تھے۔ میں نظریں جھکا گئی۔ وہ شاید مسکرایا تھا۔
''کیونکہ جانے کب کس لمحے تم سے محبت ہو گئی تھی۔'' میں سن رہ گئی۔

(جاری ہے)